محمد سعید الرحمٰن علوی

حِکَم و عِبَر

۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۱ء تک اور ۱۹۷۱ء سے ۱۹۸۵ء تک

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

دسمبر کا مہینہ آتا ہے تو دل و دماغ ہل کر رہ جاتے ہیں - ابھی یہ مہینہ کیا آیا کہ اضطراب وبے چینی نے گھیر لیا۔ رات کو چین ہے نہ دن کو آرام ـــ جان مجنون کو دوہرا عذاب ہے' ۱۴ سال قبل مڑکر دیکھتا ہوں تو مشرقی پاکستان "بنگلہ دیش" بنتا نظر آتا ہے اور حال پر نظر جاتی ہے تو چاروں طرف اسلامی روایات اور اخلاقی اقدار کا جنازہ اٹھتا نظر آتا ہے - یہ حالت دوہرے رنج اور صدمہ کا باعث بنتی ہے' دل پر چوٹ لگتی ہے اور پریشانی کے عالم میں کھو کر رہ جاتا ہوں۔

یہ خطہ جسے اللہ تعالےٰ نے صدیوں قبل اسلام کے نور سے روشن کیا تھا اور جسکے بعض حصوں میں حضور اقدس محمد عربی علیہ السلام کے دوسرے داماد، خلافتِ راشدہ کے تیسرے ستون' امت کے محسن، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دور میں اسلام کا نورانی پیغام پہنچ چکا تھا، کئی صدیوں تک مسلمانوں کی عظمت وشوکت کا گہوارہ بنا رہا - علم، تقویٰ حکومت وفرمانروائی سبھی کچھ اس خطہ میں موجود تھی اور با فراط' لیکن تنزل وادبار کی آندھی آئی تو کایا کلپ ہو کر رہ گئی اور ۱۸۵۷ء کے سال میں تو ملّت مکمل طور پر غلامی کے شکنجہ میں کس کر رہ گئی۔

غازی اورنگ زیب عالمگیر مرحوم کے بعد سے ہی موسم کے آثار اچھے نہ تھے لیکن کسی کی توجہ نہ تھی، توجہ تھی تو امام ولی اللہ الدھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی جو دہلی میں بیٹھے قوم کو سمجھانے بجھانے کی فکر میں تھے، ان کی دردمندی اور جذبہ نُصح وخیر خواہی منتقل ہوا ان کے صاحبزادگان وخدّام میں، انہوں نے ہر جتن کیا، ہر پاپڑ بیلا، حتیٰ کہ دوسری نسل نے پوری بے جگری سے خون کا نذرانہ بھی دیا لیکن فصل بہاری روٹھ چکی تھی، آسمان کی آنکھیں پھر چکی تھیں، بخت ہم سے روٹھ چکا تھا، اس لئے ہر تدبیر الٹ گئی اور دوا نے مطلق کام نہ کیا۔

سیاہ بختی کی چادر پوری طرح ۱۸۵۷ء میں تن گئی - یاروں نے نمک پاشی کا دھندا اس طرح شروع کیا کہ اس سن کو غدر کا سن کہنے لگے اور اپنے بخت ومقدر کی تاریکی کو روشنی میں بدلنے

کی جدوجہد کرنے والوں کو غدار، باغی اور نہ معلوم کیا کیا کہنے لگے۔
۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک نوّے برس کا عرصہ جس کشمکش، پریشانی اور اضطراب میں گذرا، اس کا آج کس کو اندازہ ہے، جانی و مالی نقصان کس حد تک ہوا، اجاڑ کی کیا کیا شکلیں پیش آئیں، ان کا تصور ہی مشکل ہے۔ کہا جا سکتا ہے اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بغداد و غرناطہ کی تباہی کے بعد اور ان حکومتوں کے زوال کے بعد گویا یہ تیسرا نہایت درجہ وحشت ناک اور المناک صدمہ تھا، جس سے اسلام کے نام لیواؤں کو دوچار ہونا پڑا۔ ملک معتصم پر آسمان کو خون بہانے کا حق تھا اور یقیناً تھا تو اس حادثہ پہ آسمان گر پڑتا اور زمین پھٹ جاتی تو بالکل بجا ہوتا۔ جس ظلم و بربریت کی ابتداء ۹ رمئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ شہر کے جیل خانہ سے ہوئی۔ اس کا مظاہرہ ان نوّے سالوں کے ہردن میں ہوا اور معلوم ہوتا تھا کہ اللہ تعالےٰ کی زمین ان تیرہ بخت انسانوں پر تنگ ہوچکی ہے اور ان کا کوئی ملجا و ماویٰ نہیں۔

لیکن ۱۹۴۷ء میں بالآخر ظلم کی یہ سیاہ رات ختم ہوئی، وحشت و بربریت کا دور تمام ہوا، اور آزادی کی صبح طلوع ہوئی لیکن اسطرح کہ ملک تقسیم ہوگیا اور ہندوستان و پاکستان کے نام سے اس کے دو حصے ہوگئے، ہندوستان کا اقتدار کانگریس کو ملا۔ اور پاکستان کی مقتدر جماعت مسلم لیگ قرار پائی جس کے سربراہ جناب محمد علی جناح تھے۔ بہت سے مسلمان جن میں علم و صلاح کے اعتبار سے بعض چوٹی کے لوگ تھے اس تقسیم کے عمل پر خوش نہ تھے اُن کے نزدیک اس کے اسباب کیا تھے اور اُن کا موقف کس حد تک صحیح تھا، یہ ہمارا موضوع نہیں، یہ قصہ اب تاریخ کے سپرد ہوچکا ہے اور تاریخ ہی اس کے متعلق فیصلہ کرے گی۔

ہماری گفتگو کا رُخ اس وقت پاکستان کے سلسلہ میں ہے، جس کی بنیاد "دو قومی نظریہ" قرار پایا۔ آج بہت سے طبقے اور عناصر مختلف افراد و رجال کار کے سلسلہ میں دعوے دار ہیں کہ اس "دو قومی نظریہ" کے وہ بانی تھے، ایک طبقہ بریلی کے معروف عالم جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب سے متعلق دعویٰ کرتا ہے لیکن اس دعویٰ میں بال برابر صداقت اسلئے نہیں کہ مولانا موصوف تو جواز شرکت کانگریس، کے زبردست مؤید تھے اور ابھی مسلم لیگ نے اس حوالہ سے اپنی جدوجہد کا آغاز چھوڑ، شاید اس رُخ پر سوچا بھی نہ تھا کہ مولانا

انتقال کر گئے، پھر کس حوالہ سے ان کی متعلق یہ دعویٰ درست ہو سکتا ہے، کانگریس کی شرکت کے جواز سے لیکر مسلم لیگ اور اس کے اکابر و زعماء کے متعلق اُن کے اور اُن کے نام لیوا ؤں کے تند و تیز فتوی ایسے نہیں جنہیں بھلایا یا بانظر انداز کیا جا سکے۔ بخت و اتفاق یا پھر بعض لوگوں کی غلط بخشیوں سے اگر یہ دپیگنڈا کا رُخ کچھ سے کچھ ہے، تو اس سے سچائی بدل نہیں جاتی۔

اس معاملے میں سب سے بلند آہنگ نام ہے تو علامہ سر محمد اقبال مرحوم کا۔ جن کے خطبہ الہ آباد کے حوالہ سے دعویٰ کیا جاتا ہے۔ مرحوم علامہ اقبال نے اپنے بعض خطوط میں جو حال ہی میں دریافت ہو کر شائع ہوتے ہیں، اس موقف کے سلسلے میں کچھ وضاحتیں ذکر فرمائی ہیں جو ان سے منسوب ہے۔ تاہم وطن عزیز پاکستان کے معاملہ میں ان کی سوچ و فکر کے پیمانے بہر حال لائق توجہ اور قابل قدر ہیں انہیں اس تحریک سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اور تحریک پاکستان لازم و ملزوم ہیں۔ ۱۹۴۰ء کی قرارداد کے بعد وہ زندہ ہوتے تو شاید اس کے سب سے بڑے نقیب ہوتے۔ "روزگار فقیر" میں ان کے سفرِ انگلستان (برموقعہ گول میز کانفرنس) کے حوالہ سے جو تفصیلات سامنے آئی ہیں، وہ بھی اسی کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اور ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ عظمیٰ میں ۱۸۵۷ء کے صرف ایک سال بعد ۱۸۵۸ء میں اس قسم کے خیالات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے کہ ہندوستان کو جب چھوڑنا پڑے تو اس کا انداز کیا ہو گا؟ علامہ اقبال مرحوم نے اس سفر میں بعض دانشورانِ یورپ کی تحریرات پڑھیں اور بقول سید امجد علی (سابق وزیر خزانہ پاکستان) جو اس سفر میں ان کے ہمراہ تھے، اُن سے انہوں نے گہرا اثر لیا، اور گول میز کانفرنس میں جو تقریر کی وہ انہی نکات کے گرد گھومتی تھی۔ جن میں دو قومی نظریہ کی صدائے بازگشت تھی اور انہی میں مرحوم، مسلمان قوم کے مستقبل کا تحفظ سمجھتے تھے۔ وہ تو تقسیم ملک سے لگ بھگ دس برس پہلے اپنے اللہ کے حضور پہنچ گئے، لیکن اپنے حین حیات جناب محمد علی جناح کو انگلستان سے واپس بلا کر مسلم لیگ کی قیادت ان کے سپرد کر کے ایک طرح اطمینان حاصل کر لیا اور پھر اس میں شک نہیں کہ جناح صاحب نے ایک موقف طے کر کے اس کے حصول کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں کھپا دیں۔ انہی کی قیادت میں ۱۹۴۰ء میں "قرارداد پاکستان"، لاہور میں منظور ہوئی، جس کے بعد مسلم لیگ کا قافلہ ملک

بھر میں اس تیزی سے پھیلا کہ اپنی منزل پر پہنچے بغیر اس نے دم نہ لیا۔ اور اس طرح ۱۹۴۷ء کا سال جہاں برعظیم کی آزادی کا سال قرار پایا وہاں اسے پاکستان کی تاسیس کا سال بھی ہونے کا اعزاز و شرف حاصل ہوا۔

اس بات کا تو اب ذکر ہی عبث ہے کہ اس تقسیم اور پھر تبادلہ آبادی کے عمل میں مسلمان قوم کو مالی اور جانی طور پر کتنی بڑی قربانی دینی پڑی تھی۔ قوموں کی تاریخ میں اس قسم کے مواقع آتے ہی ہیں۔ جب انہیں بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے، کوئی بڑا مقصد قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہوتا، اس لئے اس سوال کو وقتی طور پر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نئی نسلوں کو اس نعمت کا احساس دلانے کی غرض سے اگر کبھی کبھار اُن حالات کا ذکر کر دیا جائے تو حرج نہیں۔ بہر حال میں اس وقت تو اس سے صرفِ نظر ہی کرتا ہوں۔ ہاں یہ ضرور عرض کروں گا کہ ہم نے سیاسی اغراض و مقاصد کی خاطر تاریخی طور پر مجرم ضمیر اور مجرم پیشہ قوم سکھوں کے معاملہ میں جس "مروت و محبت" کا مظاہرہ کیا یا کر رہے ہیں، وہ بہر حال تکلیف دہ ہے اور اس سے احساس ہوتا ہے کہ شاید ملی غیرت و احساسِ قوم سے ہم لوگ محروم ہو گئے ہیں۔ تسلیم کہ ہندو ہمارا دشمن ہے لیکن سکھ کا دامن جس طرح خونِ مسلم سے داغدار ہے اس سے صرفِ نظر بھی انصاف نہیں۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان بن جانے کے بعد مسلمان قوم کی غالب اکثریت نے سُکھ اور چین کا سانس لیا، اس لئے کہ وہ اپنے ملک میں آزادانہ طریق سے زندگی کے شب و روز گذار سکیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ لوگوں کی مایوسی بڑھتی گئی اور لوگ شاعر کی زبان میں کہنے لگے۔

اگر یہ جانتے چن چن کے ہم کو توڑیں گے
تو گل نہ کبھی تمنائے رنگ و بو کرتے

ملک کی پہلی قیادت نے اپنی پہلی تقریر میں جس رواداری کا مظاہرہ کیا اور باور کرایا کہ اب اس ملک میں مسلم غیر مسلم کا کوئی سوال نہ ہوگا، اس کی وجہ سے جو دستوری الجھنیں پیش آئیں اور جس طرح عملاً پریشانیاں ہمارا مقدر ٹھہریں، اس سے صرفِ نظر محض اس لئے کرنا کہ یہ بات فلاں ابن فلاں کے خلاف جاتی ہے، اسلام کے اصولِ عدل و اعتدال کے منافی ہے۔ شاید اسی تقریر کا شاخسانہ تھا کہ ملک کی کلیدی اسامیوں پر

© rasailojaraid.com

چودھری ظفراللہ خاں، جوگندر ناتھ منڈل، جنرل گریسی، سکندر مرزا اور اس قماش کے لوگ مسلط ہو کر رہ گئے۔

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی مسلسل کاوش سے لیاقت علی خان مرحوم نے "قرارداد مقاصد" پارلیمنٹ سے پاس تو کرا دی لیکن ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی پارلیمنٹ توڑ دی گئی اور اس ملک کی عدلیہ کے ایک ذمہ دار فرد نے عدلیہ توڑنے کے اقدام پر مہر تصدیق ثبت کر دی، جیسے حالیہ مارشل لا کے علمبرداروں کو عدلیہ کے ارکان نے نظریہ ضرورت کے تحت کھلی چھٹی دے دی۔

پارلیمنٹ ٹوٹی تو ظاہر ہے کہ دستور کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ گیا اور بڑی مشکل کے بعد ۱۹۵۶ء میں جیسا کیسا دستور بنا تو اسے بھی چلنے نہ دیا گیا، حتیٰ کہ بیورو کریسی کے جو افراد اقتدار سے لذت آشنا ہو چکے تھے، انہوں نے مارشل لاء کی راہ ہموار کر دی اور ۱۹۵۸ء میں ملک مارشل لاء کا شکار ہو گیا۔ عام لوگوں کے نزدیک یہ پہلا مارشل لاء ہے لیکن فی الحقیقت یہ دوسرا مارشل لاء تھا؛ پہلا مارشل لاء وہ تھا۔ جو ۱۹۵۲ء میں لگایا گیا گو جزوی طور پر۔ اور یہ اس وقت کا قصہ ہے جب امت مسلمہ مرزائیوں کا دستوری مقام متعین کرانے کی غرض سے سرگرم عمل تھی، آج کے "علمبردار جمہوریت" جنرل اعظم خان نے سیاست دانوں کی حکومت کا اشارہ پاتے ہی فوج کے ذریعے غلامان بارگاہ رسالت کو اس طرح کچلا کہ الامان۔ اہل سیاست اور عسکری حضرات کی اس موقعہ پر ملی بھگت ہمیشہ ہی رنگ لاتی رہی اور جب ایوب خان فوجی رہنما بن کر سامنے آئے تو ان کے اقتدار کے تحفظ کے لیے منظور قادر اور ذوالفقار علی بھٹو جیسے حضرات اس بزم و مجلس میں برابر کے شریک تھے۔

ایوب خان کے بعد یحییٰ خاں کے دور میں اسے بھی اور اب جناب ضیاء الحق کو بھی ابتداء سے ہی اہل سیاست کا تعاون و آشیرباد حاصل ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ اہل سیاست اور عسکری حضرات کا باہم تعلق ہمیشہ رہا، اور ان میں سے کسی ایک طبقہ کو مجرم قرار دینا صحیح نہیں بلکہ یہ گناہ دونوں طبقات کا مشترکہ گناہ ہے۔ تقسیم کے فوراً بعد ہی ایک جنگ سے ہمیں پالا پڑا جس کا ٹارگٹ کشمیر تھا مولانا مودودی نے اس جنگ کو اسلامی جہاد کے بجائے قومی جنگ قرار دیا تھا جس پر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ میدان میں

آئے اور انہوں نے اسلامی جہاد ثابت کیا ، دوسری جنگ ۱۹۶۵ء کی تھی ، جس کے حوالہ سے اب دوچار سال سے ہمارے ریٹائرڈ فوجی حضرات دھڑا دھڑ مضامین لکھ رہے ہیں جنہیں پڑھ پڑھ کر ہر آدمی پریشانی کا شکار ہو رہا ہے ۔ تاہم یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ اس جنگ کے موقعہ پر کسی درجہ میں ہماری قوم کا قبلہ درست ہو گیا تھا اور اسکی صفوں میں کافی حد تک اصلاح کی شکل پیدا ہو گئی تھی لیکن پھر جو ملک میں بُدھ رہا تو ۱۹۷۰ء کا انتخاب اتنی بڑی بربادیاں لے کر سامنے آئے کہ ۱۹۴۷ء کا پاکستان کم و بیش ۲۴ برس بعد دو لخت ہو گیا اور مسلمانوں کی تاریخ میں اتنی بڑی عبرت آمیز شکست سے ہمیں دوچار ہونا پڑا ۔ ہم نے اپنے مطالعہ کے دوران ایک صاحب نظر انسان کی ایک تحریر دیکھی جس میں انہوں نے ان اسباب کو گنوایا ہے جو کسی قوم کا "اسلامیت" سے رشتہ کمزور کرنے کا باعث بنتے ہیں ۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے زوال پذیر قوموں کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ کیا اور بڑے صاف لفظوں میں مرض کی نشاندہی کر دی ۔

ان اسباب چہارگانہ میں پہلا سبب مشرکانہ عقائد و اعمال ہیں جو قرآن کی نصوصِ قطعیہ کی رُو سے ہمیشہ ضعف ، مرعوبیت ، جُبن ، بُزدلی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محرومی کا سبب بنتے ہیں ۔

دوسرا سبب انتشار و افتراق ہے جس کا انجام نصِ قرآنی کے مطابق ہوا کا اکھڑنا اور سست و کمزور پڑ جانا ہے ۔

تیسرا سبب دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت اسکو ہر قیمت پر حاصل کرنے کا جذبہ ، اسراف و تبذیر ، خود ساختہ رسوم کی پابندی اور ان معاملات میں تفاخر و مسابقت کا جذبہ ہے جو احادیث صحیحہ کی روشنی میں بے حد مفاسد کا سبب بنتا ہے اور جس کے بعد کوئی قوم حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتی ، بلکہ وہ بھیڑوں کا گلہ ہوتا ہے جسے جو چاہتا ہے کسی کی طرف ہانک کر لے جاتا ہے یا الفاظ صحیح وہ "بلبلۂ آب" جو لمحہ بھر کو سطحِ آب پر ابھرتا اور پھر فنا ہو جاتا ہے ۔

چوتھا سبب "جذباتیت" ہے اور جب خاص طور پر وہ جماعتی یا علاقائی مزاج بن جائے تو وہ چند در چند خطرات کا سبب بنتی ہے ۔ دُنیا کے نقشے پر اُبھرنے والی قوموں کی خوبیاں تحمل ، بُردباری ، عالی ظرفی ، فقیرِ غیور اور اس کا بہادرانہ مزاج اور جُہدِ مسلسل

© rasailojaraid.com

کا جذبہ ہوتا ہے۔

ہم نے ان اسباب پر جونہی نظر ڈالی اور دسمبر ۱۹۷۰ء / ۱۹۷۱ء کے حالات کا جائزہ لیا تو ہمیں ان میں سے ایک ایک سبب اپنے اندر نظر آیا اور آ پا کیا اب بھی دیکھیں تو یہی نظر آئیں گے۔ جس کا معنی یہ ہے کہ اتنے بڑے حادثہ کے بعد ہمارے اندر عقل نہیں آئی، ہماری سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں غارت ہو کر رہ گئی ہیں اور ہمارا حال ان قوموں جیسا ہو گیا ہے۔ جو فکرِ فردا سے بے نیاز ہو کر رہ جاتی ہیں، جن کا احساسِ قوم مر جاتا ہے، جو اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دیتی ہیں اور جو اصلاحِ احوال کی ہر کوشش کا تمسخر اڑانا اپنا مقصد بنا لیتی ہیں۔

۱۶ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو ریڈیو پاکستان کے پونے پانچ بجے کے بلیٹن نے پلٹن میدان ڈھاکہ میں جنرل نیازی جیسے سورماؤں کے ہتھیار ڈالنے کی خبر نشر کی تھی، جس خبر کے بنانے میں راؤ فرمان کی ڈپلومیسی اور جنرل ٹکا کی خون آشامی شامل تھی یحییٰ خان کی محفل شاہد و شراب جس کا باعث تھی اور چھوٹے اہل سیاست کا بچگانہ کھیل شامل تھا۔ اس خبر کے حوالے سے ہم ملک کے بڑوں چھوٹوں کو توجہ دلاتے ہیں اس طرف، کہ وہ جائزہ لیں کہ جو اسباب و عوامل جہارگانہ اس وقت ہماری خانماں بربادی کا باعث بنے تھے، ان کا ازالہ ہم نے کیا یا وہ پھیل کر اب ناسور بن گئے ہیں؟ ہمارے خیال میں دوسری شکل نظر آ رہی ہے اور جب ایسا ہو تو پھر ہم سب کا اللہ حافظ۔ اس سے پہلے کہ قضا و قدر کا فیصلہ صادر ہو ہمیں بارگاہِ ایزدی میں توبہ کر کے اپنی اصلاح کا سامان کر لینا چاہیئے۔

فهل من مدكر؟

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

d.com